چوتھا فقہی سمینار

☆ انشورنس

☆ دوملکوں کی کرنسیوں کا ادھار تبادلہ

سوالنامہ

انشورنس

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی☆

ادھر خصوصیت کے ساتھ جو صورت حال پورے ملک میں پیدا ہو رہی ہے اور فرقہ پرست قوتوں نے جس طرح پورے ملک میں نفرت کا زہر پھیلا دیا ہے اور جس طرح مسلمانوں کی نسل کشی کی جاری ہے اور ان کی جان و مال اور عزت و آبرو ہر وقت خطرہ میں ہے، خاص کر ان کی صنعت و تجارت کو تباہ کر کے معاشی طور پر ان کی کمر توڑنے کی کوشش کی جارہی ہے، اس صورت حال کے پیش نظر کیا مسلمانوں کو اس بات کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ جان و مال کا انشورنس کرا سکیں؟۔

۱- کیا آپ کے نزدیک فقہی نقطۂ نظر سے جان و مال کے عمومی خطرہ کو دیکھتے ہوئے اسے ضرورتِ شدیدہ یا حاجت کا درجہ دیا جا سکتا ہے؟، جسے فقہاء بہ درجہ ضرورت (الحاجة قد تتنزل منزلة الضرورة) تسلیم کرتے ہیں۔

۲- اور موجودہ حالات میں یہ دیکھتے ہوئے کہ کہاں کب کیا ہو جائے گا کہنا مشکل ہے، کیا اسے عمومی ملّی ضرورت تسلیم کیا جا سکتا ہے جس کی روشنی میں مسلمانوں کو اپنی زندگی اور اپنی تجارت کے انشورنس کرانے کا مشورہ دیا جائے؟۔

۳- ہندوستان میں انشورنس کمپنیاں عام طور پر سرکاری ہوتی ہیں، کیا اس صورت حال سے حکم مسئلہ پر کچھ فرق پڑے گا؟۔

اس مسئلہ میں ''مجلس تحقیقاتِ شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ'' نے اپنے اجتماع (منعقدہ مورخہ ۱۶ر دسمبر ۱۹۶۵ء) میں مختلف علماء کے جوابات پر غور کرتے ہوئے ایک فیصلہ کیا تھا، اس فیصلہ پر مولانا شاہ معین الدین صاحب مرحوم، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحبؒ، مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند، مولانا سید فخر الحسن مرحوم صدر مدرس دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا محمد اویس ندویؒ، مولانا شاہ عون احمد قادری، مولانا ابواللیث ندوی اور مولانا اسحاق سندیلوی نے دستخط کئے تھے۔ اس تجویز کی نقل منسلک کی جارہی ہے۔

واضح رہے کہ زیر بحث مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ''انشورنس'' کرانا جائز ہے یا ناجائز، اس وقت قابلِ توجہ بات صرف یہ ہے کہ اسے ناجائز تصور کرتے ہوئے فقہی ضرورت، یا حاجت شدیدہ کی بنیاد پر اس عمل کی اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟۔ نیز یہ کہ موجودہ حالات میں جان و مال کا جو خطرہ مسلمانوں کو درپیش ہے وہ آپ کے نزدیک اس فقہی ضرورت، یا حاجت بہ منزلہ ضرورت کے ضمن میں داخل ہے یا نہیں؟

☆☆☆

تجویز مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنؤ

مجلس تحقیقات شرعیہ نے اپنے اجتماع (مؤرخہ ۱۵/۱۶/دسمبر ۱۹۶۵ء) میں انشورنس کے مسئلہ پر علماء کرام کے ان جوابات کی روشنی میں غور کیا جو مجلس کے سوالنامہ کے پیشِ نظر ان حضرات نے تحریر فرمایا تھا، اس غور وخوض کے بعد مجلس جس نتیجہ پر پہنچی ہے وہ ایک مختصر تمہید کے ساتھ درج ذیل ہے:

انشورنس کا مسئلہ شریعت کے شعبۂ معاملات سے تعلق رکھتا ہے، معاملات میں ہمیشہ دو فریق ہوتے ہیں، اس لئے اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

اوّل: دونوں فریق مسلمان ہوں، اس صورت میں معاملات کی جو شکلیں شریعت اسلامیہ نے مقرر کی ہیں، ان کے علاوہ کسی شکل کا اختیار کرنا، کسی حال میں جائز نہیں۔

دوم: ایک فریق مسلمان ہو اور دوسرا غیر مسلم ہو، صورت دوم کی دو شکلیں نکلتی ہیں:

الف: معاملہ کی شکل مقرر کرنا مسلمان کے اختیار میں ہو، اس کا حکم بھی وہی ہے جو صورت اول کا ہے۔

ب: معاملہ کی شکل مقرر کرنا اس کے (مسلمان کے) اختیار میں نہ ہو، صورت ثانیہ کی شکل (ب) میں بوقتِ ضرورت اسلام کے بعض جلیل القدر ائمہ وفقہاء کے قول کی بناء پر شرعاً اس کی گنجائش نکلتی ہے کہ مسلمان کچھ قیود وشرائط کے ساتھ اس نوع کے معاملات میں حصّہ لے سکتے ہیں۔

مجلس یہ رائے رکھتی ہے کہ اگرچہ انشورنس کی سب شکلوں کے لئے ''ربوا اور قمار'' (سود اور جوا) لازم ہے، اور ایک کلمہ گو کے لئے ہر حال میں اصول پر قائم رہنے کی کوشش کرنا ہی واجب ہے، لیکن جان ومال کے تحفظ وبقا کا جو مقام شریعتِ اسلامیہ میں ہے مجلس اسے بھی وزن دیتی ہے، نیز مجلس صورتِ حال سے بھی صرفِ نظر نہیں کرسکتی کہ موجودہ دور میں نہ صرف ملکی، بلکہ بین الاقوامی ریاستوں سے انشورنس انسانی زندگی میں اس طرح دخیل ہوگیا ہے کہ اس کے بغیر اجتماعی اور کاروباری زندگی میں طرح طرح کی دشواریاں پیش آتی ہیں اور جان ومال کے تحفظ کے لئے بھی بعض حالات میں اس سے مفر ممکن نہیں ہوتا، اس لئے ضرورتِ شدیدہ کے پیشِ نظر اگر کوئی شخص اپنی زندگی، یا اپنے مال، یا اپنی جائداد کا بیمہ کرائے تو مذکورہ بالا ائمہ کرام کے قول کی بنا پر شرعاً اس کی گنجائش ہے۔

تنبیہ: اوپر کی عبارت میں لفظ ''ضرورتِ شدیدہ'' سے مراد یہ ہے کہ جان، یا اہل وعیال، یا مال کے ناقابلِ برداشت نقصان کا اندیشہ قوی ہو۔ ''ضرورتِ شدیدہ'' موجود ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ مجلس کے نزدیک مبتلی بہ (جو شدید دشواریوں میں مبتلا ہوکر بیمہ کرانا چاہتا ہے) کی رائے پر منحصر ہے، جو خود کو عند اللہ جواب دہ سمجھ کر علماء کے مشورہ سے قائم کرے۔

☆☆☆

چند اہم سوالات:

موجودہ عہد میں جو معاملات بہت کثرت کے ساتھ رائج ہیں، ان میں سے ایک اہم معاملہ بیمہ (انشورنس) کا ہے، جیسے جیسے دنیا میں آمدورفت کے وسائل نے ترقی پائی، باہمی رابطہ بڑھا، بین الاقوامی تجارت کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ خاص کر بحری سفر میں تجارتوں کو دور دور تک پھیلنے اور بڑھنے کا موقع دیا، ایک ملک کی صنعتی اور غذائی پیداوار دوسرے ملکوں کو جانے لگی، ان چیزوں کا مجموعی اثر دنیا کی صنعت وتجارت اور معاش پر خوشگوار پڑا، لیکن ساتھ ہی ساتھ دور دراز ممالک کے اسفار اور سمندری سفروں کے خطرات میں بھی اضافہ ہوا، جس کا اثر یہ پڑا کہ کبھی کبھی کسی شخص کی پوری پونجی ضائع ہوجاتی ہے، اور وہ شخص مفلس ہوجاتا ہے، اس طرح کے خطرات کے تحفظ کے لئے بعض تدبیریں اختیار کی گئیں۔ مثلاً کتب فقہ میں ''سوکرہ'' کا ذکر ملتا ہے، جس کی صورت شامی نے ان الفاظ میں لکھا ہے:

'' جرت العادة أن التجار إذا استاجروا مَركبا من حربی يدفعون له أجرته ويدفعون أيضا مالاً معلولاً لرجل حربی مقيم فی بلاده يسمی ذالک المال''سوكره'' علی أنه مهما هلک من المال الذی فی المركب بحرق أو غرق أو نهب أو غيره، فذلک الرجل ضامن بمقابلة ما يأخذه منهم، وله وكيل عنه مستامن فی دارنا يقيم فی بلاد السواحل الإسلامية بإذن السلطان يقبض من التجار مال السوكره وإذا هلک من مالهم فی البحر شئی يؤدی ذلک المستامن للتجار بدله تماما'' (شامی ۳/۲۴۹-۲۵۰)۔

(یعنی سمندری اسفار میں تجارتی مال بھیجنے والے تاجر کسی ایسے فرد کو ایک معین رقم ادا کرکے جو اس ملک میں اپنے کسی ایجنٹ کے ذریعہ رقم وصول کرتا اور خدانخواستہ اگر سمندری سفر میں کسی وجہ سے مالِ تجارت ضائع ہوجاتا تو اس کا مکمل معاوضہ وہ شخص اپنے ایجنٹ کے ذریعہ تاجر کو ادا کرتا)۔

شامی نے اس کے جواز وعدمِ جواز پر بحث کی ہے، اس بحث سے قطع نظر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مالِ تجارت کو پیش آنے والے خطرات سے تحفظ کے لئے بیمہ کی ایک خاص شکل اس عہد میں رائج تھی۔

یہی صورت تجارت کی وسعت وخطرات کی زیادتی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی چلی گئی اور آج معاشی نظام میں بیمہ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہوگئی ہے اور قومی وبین الاقوامی تجارت میں شاید ہی کوئی ایسا معاملہ ہو جس میں ''انشورنس'' کو اختیار نہ کیا گیا ہو، بلکہ اب اشخاص اور ذمہ داریوں کے بیمہ کا بھی رواج پڑ گیا ہے، اور بیمہ ایک مرتب قانونی نظام کی حیثیت اختیار کرگیا ہے، جو صورتیں بیمہ کی رائج ہیں ان میں ایک صورت ''بیمہ زندگی'' بھی ہے، یعنی ایک شخص بیمہ کمپنی کو متعین اقساط ان شرطوں پر ادا کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لیتا ہے کہ ایک محدود مدت کے اندر اگر خدانخواستہ اس کی موت واقع ہوجائے تو بیمہ کمپنی اس کے اصل خاندان کو اس کی موت سے پہنچنے والے نقصان کی تلافی کے لئے اتنی مقدار رقم ادا کرنے کی پابند ہوگی جتنی رقم کا بیمہ کرایا گیا ہے، اور اگر بیمہ کرانے والا وہ متعین مدت گزار لیتا ہے اور زندہ رہتا ہے تو وہ اپنی جمع کردہ رقم سود کے ساتھ بیمہ کمپنی سے پانے کا حق دار ہوگا۔

اسی طرح کسی جسمانی نقصان کا بھی بیمہ کرایا جاسکتا ہے، یعنی اگر متعین مدت تک اس کے ہاتھ پیر ودیگر اعضاء سلامت رہیں تب تو وہ اپنی جمع کردہ رقم کی واپسی کا مستحق ہوگا اور اگر کوئی حادثہ پیش آگیا اور اس انسان کے جسم کا کوئی حصہ متاثر ہوکر ناکارہ ہوگیا تو اس عضو کے ناکارہ

ہوجانے سے اس انسان کو جونقصان پہنچا ہے اس کی تلافی کے لئے بیمہ کمپنی اتنی رقم ادا کرنے کی پابند ہوگی جتنے پر بیمہ ہوا ہے۔

دوسری صورت املاک کے بیمہ کی ہے، یعنی مکان ودکان اور تجارتوں وغیرہ کا بیمہ، کہ کوئی شخص ایک متعین رقم بیمہ کمپنی کو دیتے رہنے کی ذمہ داری اس شرط کے ساتھ لیتا ہے کہ اگر خدانخواستہ متعین مدّت کے اندر اس کی ان املاک کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو ان کی تلافی بیمہ کمپنی کرنے کی پابند ہوگی اور اگر کوئی نقصان نہیں ہوا تو بھی اس صورت میں وہ جمع کی ہوئی رقم واپس نہیں ہوگی، یعنی بیمہ کرانے والا اصلاً کسی ملنے والی رقم کے معاوضہ میں قسط ادا نہیں کرتا، بلکہ متوقع خطرہ کے نتیجے میں پہنچنے والے امکانی نقصان کی تلافی کی وجہ سے جو تحفظ واطمینان وہ حاصل کرتا ہے ،لہذا انشورنس کی اس صورت میں اپنی جمع کی ہوئی رقم پالیسی لینے والے کو واپس نہیں ملتی۔

بیمہ کی تیسری صورت ذرائع نقل وحمل کا ایسا بیمہ ہے کہ جس کے ذریعہ کسی حادثہ کی صورت میں ضائع ہونے والی سواری یا اس کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی کی جاتی ہے، اسی طرح ڈرائیور کو کوئی نقصان جانی یا جسمانی پہنچ جائے تو اس کی تلافی کی جاتی ہے، اسی ذیل میں کسی حادثہ کے نتیجہ میں کار یا ٹرک کے مالک پر کار یا ٹرک کے ذریعہ کسی دوسرے شخص کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی کرنا بھی شامل ہے، ان صورتوں میں جو اقساط ادا کی جاتی ہیں خدانخواستہ وہ خطرہ پیش آ گیا جس کے لئے بیمہ کرایا گیا ہے تو بیمہ کمپنی اس کی تلافی کرنے کی پابند ہے اور اگر کوئی خطرہ پیش نہیں آیا تو پالیسی لینے والا اپنی دی ہوئی رقم واپس لینے کا حق دار نہیں ہوگا۔

بعض صورتیں بیمہ کی ایسی بھی مروج ہیں جن میں سمندری، ہوائی یا برّی نقل وحمل کے ذریعہ مالِ تجارت ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجا جاتا ہے اور کبھی قیمتی دستاویزات بذریعہ ڈاک یہاں سے وہاں بھیجی جاتی ہیں، اور ان صورتوں میں اجرت نقل وحمل کے علاوہ کچھ زائد رقم ادا کی جاتی ہے کہ بہ صورت ذرائع ہوں، اس مرسلہ مال کے وہ کمپنی یا ڈاکخانہ اتنی رقم ادا کرنے کا پابند ہوگا، جتنی رقم کا بیمہ کرایا گیا ہے۔

غرض یہ کہ بیمہ نے انسانی زندگی میں اتنا اثر ونفوذ پیدا کیا ہے کہ روزانہ قسم قسم کے خطرات پیدا ہو رہے ہیں اور چھوٹے بڑے خطرات سے پہنچنے والے امکانی نقصانات کی تلافی کے لئے بیمہ کی صورت اختیار کرنے کا رواج تیزی سے بڑھتا جارہا ہے۔

''بیمہ زندگی'' ہو یا ''بیمہ املاک'' یا دوسری مروجہ صورتیں جو بیمہ کمپنی کے ذریعہ اختیار کی جاتی ہیں تقریباً جملہ علماء امّت اس کے ناجائز ہونے پر متفق نظر آتے ہیں اور اصولی طور پر اسے نادرست قرار دیتے ہیں، بعض خاص صورتوں کا استثنائی قواعد کی روشنی میں جواز بھی علماء کے یہاں ملتا ہے، مثلاً سرکاری قانون کے تحت سرکاری ملازمین کا بیمہ زندگی، یا گاڑیوں کا بیمہ، یا بین الاقوامی منڈیوں میں مال بھیجنے کے لئے مال کا انشورنس ہونا اگر قانوناً لازم کر دیا گیا ہے تو علماء اس قانونی لزوم کو ایک طرح کا جبر قرار دے کر مجبوری کی حالت میں اس طرح کے انشورنس کی اجازت دیتے ہیں، یعنی ان لوگوں کو اس عمل میں معذور قرار دیتے ہیں۔

بیمہ کے مسئلہ میں علماء کی آراء کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

۱- ہندوستان کے موجودہ حالات میں جبکہ مسلمانوں کے جان ومال محفوظ نہیں ہیں اور ہر لمحہ ان کی جان، ان کا مال، ان کی تجارت، ان کی صنعت، ان کے مکانات اور ان کی مساجد نیز مدارس خطرہ میں ہیں اور بسا اوقات اس طرح کے واقعات میں حکومت کی غفلت، یا اس کے جانبدارانہ رویہ کو دخل ہوتا ہے، حالانکہ حکومت شہریوں کے جان اور مال کی حفاظت کی ذمہ دار ہے، ایسے واقعات کے پیش آجانے کی صورت میں بچی کھچی نسل کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو زندہ تو رہ گئے ہیں لیکن ان کی املاک تباہ ہو چکی ہیں، تجارتیں اور صنعتیں برباد ہو چکی ہیں، نئے سرے سے زندگی کا شروع کرنا دشوار امر ہوتا ہے اور خصوصیت کے ساتھ جبکہ آج کی بیمہ کمپنی عام طور پر سرکاری نظم کے تحت چلتی ہے اور حکومت نے انھیں قومیا لیا ہے، لہذا اس کے نفع ونقصان کی ذمہ داری حکومت کی طرف لوٹتی ہے تو کیا مسلمانوں کے لئے یہ جائز ہوگا کہ وہ اپنی

زندگی، اپنی تجارت، اپنی صنعت اپنے مکانات اور اپنی مساجد کا بیمہ کرالیں تا کہ خدانخواستہ اگر کوئی نقصان ان کو پہنچ جائے تو اس نقصان کی تلافی اور جان و مال کا معاوضہ بیمہ کمپنی سے وصول کرلیں۔ اس میں اولاً تو اگر زیادہ تعداد میں مسلمان جان و مال کا بیمہ کرالیں گے تو ایسی امید کی جاتی ہے کہ سرکاری ایجنسی جو امن قائم کرنے کی ذمہ دار ہے وہ فسادات کو روکنے کی زیادہ کوشش کرے گی کہ مسلمانوں کو پہنچنے والے جانی و مالی نقصان کی تلافی سرکار ہی کو کرنی پڑے گی، دوسری طرف خدانخواستہ کوئی واقعہ پیش آ ہی جائے تو مسلمانوں کو اتنی رقم مل جائے گی کہ وہ ان واقعات سے پہنچنے والے نقصانات کی تلافی کرسکیں، اور اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کے لائق ہوسکیں، اسطرح فساد کرانے والی قوتوں کا وہ نشانہ اور وہ مقصد پورا نہیں ہوگا کہ مسلمانوں کی کمر معاشی طور پر توڑ دی جائے اور ان کو ذہنی طور پر مرعوب کر کے غلامی کی زندگی پر راضی رہنے پر مجبور کیا جائے۔

اس طرح کے حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بعض علماء نے ہندوستان کے خاص پس منظر میں انشورنس کے جواز کی رائے دی ہے، چنانچہ ''مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ'' نے (دسمبر ۱۹۶۵ء) میں انشورنس کے مسئلہ پر غور کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ:

مجلس یہ رائے رکھتی ہے کہ اگر چہ انشورنس کی سب شکلوں کے لئے ربوا و قمار (سود اور جوا) لازم ہے اور ایک کلمہ گو کے لئے ہر حال میں اصول پر قائم رہنے کی کوشش کرنا ہی واجب ہے، لیکن جان و مال کے تحفظ و بقا کا جو مقام شریعتِ اسلامیہ میں ہے، مجلس اسے بھی وزن دیتی ہے، نیز مجلس اس صورت حال سے بھی صرف نظر نہیں کرسکتی کہ موجودہ دور میں نہ صرف ملکی بلکہ بین الاقوامی ریاستوں سے انشورنس انسانی زندگی میں اس طرح دخیل ہو گیا ہے کہ اس کے بغیر اجتماعی اور کاروباری زندگی میں طرح طرح کی دشواریاں پیش آتی ہیں اور جان و مال کی تحفظ کے لئے بھی بعض حالات میں اس سے مَفر ممکن نہیں ہوتا، اس لئے ضرورتِ شدیدہ کے پیشِ نظر اگر کوئی شخص اپنی زندگی یا اپنے مال یا اپنی جائداد کا بیمہ کرائے تو مذکورہ بالا ائمہ کرام (جن سے امام صاحب وغیرہ دار الحرب کی نسبت سے مراد ہیں) کے قول کی بناء پر شرعاً اس کی گنجائش ہے۔

اوپر کی عبارت میں لفظ ضرورتِ شدیدہ سے مراد یہ ہے کہ جان، یا اہل وعیال یا مال کے ناقابل برداشت نقصان کا اندیشہ قوی ہو، ''ضرورتِ شدیدہ'' موجود ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ مجلس کے نزدیک مبتلیٰ بہ جو (شدید دشواریوں) میں مبتلا ہو کر بیمہ کرانا چاہتا ہے) کی رائے پر منحصر ہے، جو خود کو عنداللہ جواب دہ سمجھ کر علماء کے مشورہ سے قائم کرے۔

اسی طرح مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری نے فتاویٰ رحیمیہ (۶/ ۱۳۲) میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے بعض خاص حالات میں خاص پابندیوں کے ساتھ انشورنس کے جواز کا ذکر کیا ہے، بعض دیگر حضرات کے یہاں بھی اس طرح کی رائے مل سکتی ہے (نظام الفتاویٰ ۲/ ۱۴۹، محمودیہ ۴/ ۲۴۰)۔

اسی ذیل میں دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر ہندوستان کے مخصوص حالات کو سامنے رکھتے ہوئے جان و مال اور تجارت وصنعت کے بیمہ کرانے کی اجازت دی جائے تو پالیسی ہولڈر اگر مدت پوری ہونے سے پہلے انتقال کر جائے تو بیمہ کمپنی ادا کی ہوئی اقساط سے زائد انشورنس کی رقم ادا کرتی ہے، اب مرحوم کے وارثان کے لئے اس زائد رقم کا استعمال جائز ہوگا یا نہیں؟ اور اگر وہ اپنی مدت پوری کر لیتا ہے تو بالاقساط جمع کی ہوئی رقم واپس ملتی ہے، اور ساتھ ہی کچھ زائد رقم بونس ومنافع یا سود کے نام پر دی جاتی ہے تو اس زائد رقم کا استعمال اس شخص کے لئے جائز ہوگا یا نہیں؟

اسی ذیل میں یہ سوال جو بہت اہم اور قابل غور ہے کہ اگر بیمہ شدہ جان یا مال کی ہلاکت یا ضیاع فسادات کی صورت میں ہو جائے اور انشورنس کمپنی پالیسی ہولڈر کی طرف سے ادا کی ہوئی رقم سے زائد رقم مستحقین ومتاثرین کو ضابطہ کے مطابق ادا کرے تو اس زائد رقم کو معاوضہ

جان ومال کا تصور کیا جائے اور اس سے استفادہ کو درست قرار دیا جائے یا نہیں؟

بعض حضرات علماء نے ان حالات میں انشورنس کی اجازت تو دی ہے، مگر زائد رقم کے استعمال کو نا جائز لکھا ہے، سوال یہ ہے کہ موجودہ حالات میں جبکہ اصلاً حکومت جان ومال کی حفاظت کی ذمہ دار ہے اور فسادات کی صورت میں عظیم الشان جانی ومالی نقصان شہریوں کو پہنچتا ہے، اگر انشورنس کمپنی کے ذریعہ جونیشنلائز ہے متاثر شہریوں کو ان کی جمع کی ہوئی رقم سے زائد رقم ملتی ہے تو اسے اس نقصان کی تلافی کیوں نہ قرار دیا جائے جس سے بچانا حکومت کی ذمہ داری تھی؟

ایک سوال یہ بھی ہے کہ ''جبری انشورنس'' کی صورت میں حکماً جواز پر تو اتفاق ہے کہ وہ ایک ضرورت اور مجبوری ہے، لیکن ایسے انشورنس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی زائد رقم کا کیا حکم ہوگا؟ جس کی ایک صورت سرکاری ملازمین کا جبری بیمہ زندگی ہے، جس کی وجہ سے ان کی تنخواہ سے ماہ بہ ماہ ایک متعین حصہ کٹتا رہتا ہے، جیسے کہ پروویڈنٹ فنڈ کے لئے کٹتا ہے، اور حسب ضابطہ گورنمنٹ ملازمت کے اختتام پر جمع شدہ رقم مع اضافہ واپس کرتی ہے یا ملازمت کے اختتام سے پہلے حسبِ ضابطہ جمع کردہ اقساط مع اضافہ واپس کرتی ہے، تو دونوں صورتوں میں اس زائد رقم کا کیا حکم ہوگا، کیا اس کو پروویڈنٹ فنڈ پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس میں اصل کے ساتھ ملنے والی زائد رقم کو علماء جائز کہتے ہیں۔

جبری انشورنس کی ایک صورت کار وغیرہ، نیز تجارتی سامان کے انشورڈ کرانے کی ہے، اس میں اگر کسی وقت کوئی حادثہ پیش آنے کی وجہ سے مقررہ رقم ملتی ہے تو ادا کردہ رقم کا کیا حکم ہوگا؟ جبکہ املاک کے انشورنس میں بھی یہی ہوتا ہے کہ کوئی حادثہ پیش نہ آئے تو کچھ بھی نہیں ملتا، اگرچہ سالہا سال گزر جائیں۔

انشورنس پر گفتگو کے ذیل میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ حمل ونقل کا کام انجام دینے والی جو کمپنیاں ہیں وہ خود متعلقہ سامان کا انشورنس کریں اور اجرت سے زائد رقم لے کر یہ معاملہ کہ بہ صورت ضیاع ونقصان ہم ذمہ دار ہیں تو اس صورت میں معاملہ کرنے والی کمپنیوں سے نقصان کا معاوضہ لینے کا کیا حکم ہوگا؟ اور کیا یہ جواز ہر حال میں ہوگا یا کہ مخصوص حالات میں؟

☆☆☆

سوالنامہ:

نوٹ کی شرعی حیثیت

عہد قدیم میں اشیاء کا تبادلہ اشیاء سے ہوا کرتا تھا۔مختلف معاشی وجوہ سے سونے چاندی کو ذریعۂ تبادلہ کی حیثیت سے تسلیم کرلیا گیا اور اس کے سکے بازار میں جاری ہوگئے اور ان کے ذریعہ اشیاء کی خرید وفروخت جاری ہوئی۔ضرورت پڑی کے ایسے چھوٹے سکے بھی ہوں جن سے چھوٹی چھوٹی چیزیں حاصل کی جاسکیں تو دوسری کم قیمت دھاتوں کے سکے بھی رواج پذیر ہوئے۔یہاں تک کہ کسی زمانہ میں لوہے کے چھوٹے ٹکڑے اور کوڑی بھی ذریعۂ تبادلہ کی حیثیت سے رواج پذیر رہے۔

مختلف معاشی اسباب کی وجہ سے آہستہ آہستہ سونے چاندی کی کرنسی (CURRENCY) کا رواج ختم ہوگیا اور دوسری دھاتوں کی کرنسی کا رواج بھی کم سے کم تر ہوگیا، اوران کی جگہ کاغذی نوٹ جاری ہوگیا۔شروع میں ایسا سمجھا جاتا تھا کہ ان کاغذی نوٹوں کا رشتہ سونے چاندی کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور حکومتیں اتنا ہی نوٹ جاری کرتی ہیں جتنی مقدار میں متبادل صورت میں ان کے پاس سونا یا چاندنی موجود ہوتی ہے،آہستہ آہستہ یہ رشتہ بھی کمزور ہوتا گیا،نوٹوں پر لکھی ہوئی یہ عبارت کہ ’’حکومت اس نوٹ کے حامل کو اس کی مقدار میں دینار، درہم، ڈالر، پونڈ، ین، ریال یا روپیہ ادا کرنے کی ذمہ دار ہے‘‘ بے کار سی ہوکر رہ گئی۔اب کوئی بھی حکومت اس نوٹ کے عوض سونے یا چاندی کے اصل سکے ادا کرنے یا سونے یا چاندی کی اس مقدار کو ادا کرنے کو تیار نہیں ہے۔ہاں اتنا ضرور ہے کہ اگر حکومت کسی نوٹ کو کالعدم قرار دیتی ہے تو وہ ایک مخصوص اعلان شدہ مدت کے دوران اس کے عوض نیا جاری شدہ نوٹ اسی قیمت کا ادا کردیتی ہے۔غرض یہ کہ تجربہ اور مشاہدہ کی بات یہی ہے کہ حکومتوں کی طرف سے جاری کئے گئے نوٹ اب سونے اور چاندی کے ساتھ ہم رشتہ نہیں رہے۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ سونے چاندی یا کسی دھات کا سکہ اگر اس کی کرنسی کی حیثیت ختم ہوجائے تب بھی ایک دھات ہونے کی حیثیت سے اس کی مالیت برقرار رہتی ہے،بخلاف نوٹوں کے کہ اگر ان کی قانونی حیثیت ختم ہوجائے تو یہ کاغذ کا بے قیمت پرزہ بن کررہ جاتے ہیں جن کی کوئی مالیت نہیں ہوتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نوٹ کا جب رواج شروع ہوا تو اس کی قانونی اور رواجی حیثیت سند اور حوالہ کی تھی،اسی لئے علماء سلف جن کے سامنے یہ مسئلہ آیا انہوں نے اسے سند اور حوالہ قرار دیا،لیکن جیسے جیسے سونا یا چاندی کی کرنسی بازار سے اٹھتی چلی گئی اور نوٹ بے دھڑک بازار میں استعمال کیا جانے لگا۔اور حکومتوں نے جمع سونے اور چاندی کی مقدار کو نظر انداز کرکے نوٹ چھاپنے شروع کئے۔رواجاً اور عرفاً اس کی حیثیت بجائے سند اور حوالہ کے خود مستقل ثمن کی ہوگئی،اب یہ بات طے کی جانی چاہئے کہ موجودہ عہد میں شرعاً اسے محض سند اور حوالہ تسلیم کیا جائے یا اسے ثمن قرار دیا جائے۔یا کیا ایسا بھی سوچا جاسکتا ہے کہ نوٹ جو اصلاً سند وحوالہ تھا اور اب یہ رواجاً ثمن ہے اس میں دونوں جانب کی مشابہتیں ہیں۔تو کیا فقہاء غور وفکر کے بعد نوٹ کی ہر دو حیثیتوں کو سامنے رکھ کر نوٹ کے شرعی احکام مقرر کرسکتے ہیں۔اگر ہاں تو کیا؟

اس ذیل میں یہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ اگر نوٹ کو محض سند اور حوالہ تسلیم کیا جائے تو ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی نوٹ کے ذریعہ اس وقت تک نہ ہوسکے گی جب تک زکوٰۃ لینے والا اس سے کسی شی کا تبادلہ نہ کرلے،اسی طرح قرض کی صورت میں جتنے نوٹ بطور قرض دیئے

گئے ہیں اتنے نوٹ کی واپسی نہ ہوگی بلکہ سونے اور چاندی کی جتنی مقدار کے لئے اس نوٹ کو سند تسلیم کیا جائے گا۔ اتنی مقدار سونے یا چاندی کی قیمت کے ادا کرنے ہوں گے۔

اسی طرح سند اور حوالہ ہونے کی صورت میں بین الاقوامی مارکیٹ میں ایک ملک کے نوٹ کو دوسرے ملک کے نوٹ سے تبدیل کر تے وقت ایسے دونوٹ جو سونے کے سکوں کی سند ہیں یا ایسے دونوٹ جو چاندی کے سکوں کی سند ہیں ہر دونوٹ کے تبادلہ میں معتبر قدر زر کے درمیان مساوات اور فوری قبضہ ضروری ہوگا۔ پس یہ اور اس طرح کے کئی مسائل صرف سند ماننے کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔

اس ذیل میں ایک امر یہ قابلِ لحاظ ہے کہ سونا اور چاندی کو فقہاء ثمن خلقی کہتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ محض ذریعہ تبادلہ نہیں بلکہ ایک حد تک اشیاء کی قدر و قیمت کی حفاظت اور دیون (مؤخر مطالبے) کی ادائیگی کا معیار بھی ہے۔ اسی لئے اگر چہ سونے چاندی کے سکے کی قانونی حیثیت ختم ہوجائے پھر بھی وہ سکہ اپنی قدر و قیمت کو برقرار رکھتا ہے، اس لئے مثلاً اگر سو دینار مہر مقرر کیا جائے اور ہر دینار ایک تولہ سونے کا تسلیم کیا جائے تو اگر وہ سکہ قانونی حیثیت کھودے تو بھی سو تولہ سونا ادا کرنا ہوگا، اسی طرح مہر مقرر کرتے وقت جو قدر ملحوظ تھی وقت گذرنے کے بعد بھی وہ قدر باقی رہتی ہے۔ نوٹ کے ساتھ مشکل یہ ہے کہ اگر اسے محض ثمن تسلیم کرلیا جائے تو پچاس برس گذرنے کے بعد بھی وہی نوٹ یا متبادل نوٹ جو اسی مالیت کا جاری کیا گیا ہو۔ ادا کرنا ہوگا۔ چاہے اس نوٹ سے حاصل ہونے والے سونے چاندی کی مقدار میں کتنا ہی فرق پڑ گیا ہو۔

علماء معاشیات کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ اشاریہ (INDEX) کے ذریعہ نوٹ کی قدر و قیمت کا تعین کیا جائے اور اس متعین قدر کی ادائیگی واجب قرار دی جائے، مثلاً آج اگر روپیہ کی قدر بارہ پیسوں کے برابر ہے تو آگے چل کر جب مہر یا کسی دین کی ادائیگی کا وقت آئے تو روپیہ کی قدر گھٹ کر چھ پیسے ہوگئی تو ادائیگی سو روپیہ دین کی دوسو روپیہ کے نوٹ سے ہوگی، یا روپیہ کی قدر بڑھ کر ۲۴ پیسے ہوگئی تو سو روپے کی ادائیگی پچاس روپے کے نوٹ سے ہوجائے گی۔ علماء وفقہاء کے لئے یہ بات قابلِ غور ہے، رائج کرنسی کے قدر کے گھٹنے اور بڑھنے (غلا اور رخص) اور قوت خرید کے کم اور زیادہ ہوجانے کی صورت میں اور خاص کر اس وجہ سے کہ افراط زر تیز رفتاری کے ساتھ روپیہ کی قدر گھٹا تا جارہا ہے یا صفر سے بھی نیچا چلا جاتا ہے، مثلاً ایک عورت کا مہر ۱۹۵۰ء میں پانچ سو روپے مقرر ہوا تھا جس کے عوض میں ڈھائی سو تولے چاندی ملتی تھی، اب ۱۹۸۳ء میں ادائیگی کے وقت اگر ہم اسے پانچ سو روپے دلواتے ہیں تو اس پانچ سو روپے میں صرف سوا چھ تولہ چاندی آتی ہے۔ پس یہ اہم سوال ہے کہ شریعت میں جو عدل ملحوظ ہے اس طرح پر ادائیگی اس عدل کو پورا کرتی ہے یا نہیں۔

براہ کرم مندرجہ بالا تمہید کو پیش نظر رکھ کر مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تحریر فرمائیں:

۱- کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

۲- زر حقیقی یعنی سونے چاندی کے دینار و درہم اور زر اصطلاحی یعنی کاغذی نوٹ کے شرعی احکام یکساں ہوں گے یا ان میں کوئی فرق ہوگا؟

۳- کرنسی نوٹوں کا نصاب زکوۃ کس اعتبار سے مقرر کیا جائے؟ یعنی بعض کرنسی ابتدائی زمانہ میں سونے کی رائج تھی، مثلاً دینار اور اس کے متبادل کے طور پر نوٹ جاری کیا گیا۔ بعض کرنسی چاندی کی رائج تھی اس کے متبادل نوٹ جاری کیا گیا تو آج کے کرنسی نوٹوں میں نصاب زکوۃ مقرر کرتے وقت سونے کا اعتبار کا جائے گا یا چاندی کا؟

۴- کاغذی نوٹوں کی اپنی ذاتی کوئی قیمت نہیں ہوتی اور افراط زر کی صورت میں اس کی قوت خرید تیزی سے گر جاتی ہے۔ کیا اس صورت حال کی وجہ سے شرعاً یہ صحیح ہوگا کہ دیون یعنی مؤخر مطالبوں مثلاً قرض، مہر، پنشن، ادھار خریداری کی رقم اور وقت پر ادا نہ ہونے والی تنخواہوں کی ادائیگی کو قیمتوں کے اشاریہ سے وابستہ کر دیا جائے اور کیا ایسے کسی اشاریہ کی ترتیب اور اس کے ذریعہ ادائیگیوں میں انضباط ممکن بھی ہے اور کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ عامۃ الناس کے درمیان ادائیگیوں کے لئے ایسے معیار مقرر کرنا جن کی بنیاد دقیق فنی اصولوں پر ہو، باہمی مستقل تنازعہ کا موجب ہوگا۔ نیز یہ کہ اس طرح سو روپے کے بدلے پانچ سو روپے کی ادائیگی باب ربوا کو کھولنے کا ذریعہ بنے گی؟

۵- کیا یہ جائز ہوگا کہ نوٹوں کی شکل میں قرض دیتے وقت، یا مہر کے تقرر کے وقت، یا ادھار فروختگی کے وقت، طرفین واجب الاداء نوٹ کی مالیت سونے یا چاندنی میں طے کر لیں اور بوقت ادائیگی اس قدر سونے یا چاندی کی قیمت کے مساوی نوٹوں کی ادائیگی پر معاملہ طے کر لیں؟

☆☆☆

تجاویز:

چوتھا فقہی سمینار

منعقدہ: ۲۷-۳۰ محرم ۱۴۱۲ھ مطابق ۹-۱۲ /اگست ۱۹۹۱ء، سبیل السلام، حیدرآباد)

شہر حیدرآباد کے معروف مدرسہ دارالعلوم سبیل السلام میں ۹ تا ۱۲ /اگست ۱۹۹۱ء چوتھے فقہی سمینار کا انعقاد ہوا، اس میں پورے ملک کے طول وعرض سے فقہاء وعلماء اور دانشوران کے علاوہ بیرون ملک سے متعدد اہم علمی شخصیات نے شرکت کی، اور:

☆ انشورنس

☆ دوملکوں کی کرنسیوں کا ادھار تبادلہ

کے موضوعات پر پوری فراخدلی کے ساتھ بحث ومباحثہ کی روشنی میں فیصلے کئے، تیسرے سمینار میں اسلامی بینکنگ کے موضوع پر جو کمیٹی تشکیل دی گئی تھی، اس کی تیار کردہ اہم اور مفصل رپورٹ بھی اس میں پیش ہوئی اور تجاویز منظور کی گئیں۔

انشورنس:

ہندوستان کے موجودہ حالات میں انشورنس کے جواز یا عدم جواز سے متعلق اکیڈمی کی جانب سے جاری کردہ سوال نامہ کی روشنی میں غور کیا گیا۔ انشورنس جان کا ہو یا مال کا یا دوسری اقسام کا، سبھی پر بحث وگفتگو کی گئی۔ اس سلسلے میں تجویز مرتب کرنے کے لئے مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل کی گئی:

۱-	مولانا عبیداللہ اسعدی (کنوینر)	باندہ
۲-	مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی	لکھنؤ
۳-	مولانا سید نظام الدینؒ	پٹنہ
۴-	مولانا زبیر احمد قاسمیؒ	حیدرآباد
۵-	مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ	دیوبند
۶-	مفتی نظام الدین رضوی	مبارکپور
۷-	مولانا خلیل الرحمٰن اعظمی	عمرآباد
۸-	مولانا عتیق احمد قاسمی	لکھنؤ
۹-	مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی	پنجاب
۱۰-	مولانا صدر الحسن ندوی	اورنگ آباد
۱۱-	مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی	دیوبند
۱۲-	مولانا محمد نوح قاسمی	کیرالہ

۱۳-	مولانا ریاض الرحمٰن رشادی	بنگلور
۱۴-	مولانا موسیٰ ابن احمد	کیرالہ
۱۵-	سید امین الحسن رضویؒ	دہلی

کمیٹی نے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کیا اور یہ محسوس کیا کہ انشورنس کمپنیوں کی پالیسی اس سلسلہ میں واضح نہیں ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات میں ہونے والے جانی و مالی نقصانات کو موجودہ انشورنس قانون کی رو سے تحفظ حاصل ہوتا ہے یا نہیں۔

اس کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ غور کیا جائے اور انشورنس کے ماہرین سے مختلف اسکیموں کے بارے میں پوری معلومات حاصل کی جائیں۔

سمینار کے عام اجلاس میں کمیٹی کی اس تجویز سے اتفاق کیا گیا اور مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو مسئلہ کے تمام پہلوؤں اور ماہرین سے پوری معلومات حاصل کرنے کے بعد کوئی قطعی رائے قائم کرے:

۱-	مولانا مجیب اللہ ندویؒ	جامعۃ الرشاد، اعظم گڑھ
۲-	مولانا برہان الدین سنبھلی	دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
۳-	مولانا عبید اللہ اسعدی	جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ
۴-	مولانا عتیق احمد بستوی	دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
۵-	مولانا مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی	دار العلوم دیوبند
۶-	مولانا مفتی احمد خان پوری	جامعہ تعلیم الدین، ڈابھیل، گجرات
۷-	مولانا عبد الاحد ازہری	معہد ملت، مالیگاؤں
۸-	مفتی منظور احمد کان پوریؒ	جامع العلوم، کان پور
۹-	مولانا نظام الدین اشرفی	دار العلوم اشرفیہ، مبارکپور
۱۰-	مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ	دار العلوم، دیوبند
۱۱-	مفتی عبد القدوس رومیؒ	آگرہ
۱۲-	مولانا زبیر احمد قاسمیؒ	دار العلوم سبیل السلام، حیدرآباد
۱۳-	مفتی جنید عالم قاسمی	امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ
۱۴-	مولانا خلیل الرحمٰن اعظمی	جامعہ دار السلام، عمر آباد
۱۵-	مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی	لکھنؤ
۱۶-	جناب عبد الستار یوسف شیخ	ممبئی
۱۷-	قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ	امارت شرعیہ، پٹنہ

غیر سودی بینکنگ کا مسئلہ:

اسلامک بینکنگ کے موضوع پر کمیٹی کی تفصیلی رپورٹ پیش ہوئی، اس رپورٹ کی تلخیص اردو زبان میں جناب عبد الحسیب صاحب

سابق ڈائرکٹر ریزرو بینک آف انڈیا اور جناب محمد حسین کھٹکھٹے نے شرکاء سمینار کے سامنے پیش کی۔

اس رپورٹ میں یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ جب تک بینکنگ کے موجودہ قوانین میں ترمیم نہیں کی جاتی اور بینکوں کو تجارت اور صنعت میں براہ راست سرمایہ لگانے کی اجازت نہیں دی جاتی، موجودہ قانون کے تحت غیر سودی اسلامی بینک قائم نہیں کئے جاسکتے۔

رپورٹ میں متبادل کے طور پر ''انڈین کمپنیز ایکٹ'' اور ''کوآپریٹو کریڈٹ'' کے تحت اسلامی مالیاتی اداروں اور غیر سودی سوسائٹیز قائم کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ بعض خاص حالات میں پارٹنرشپ کی گنجائش بھی ہوسکتی ہے۔

رپورٹ کی روشنی میں مضاربت، شرکت، مرابحہ اور اجارہ جیسے اسلامی طریقہ تجارت کو نیز بینکس کی ان خدمات کو اختیار کئے جانے کی سفارش کی گئی ہے جو سود سے پاک ہیں، جنہیں (Non Banking Services) کہا جاتا ہے۔

اس رپورٹ میں ایک ایسے مرکزی ادارہ (وفاق) کے قائم کرنے کی سفارش بھی کی گئی ہے جو اس طرح کے قائم اسلامی مالیاتی اداروں کو کنٹرول کرے، ان کے استحکام اور قابل اعتماد ہونے کے سرٹیفکٹ جاری کرے، نیز اگر ایسے نئے مالی ادارے قائم کئے جانے کا منصوبہ ہو تو پہلے ان کی صلاحیت کار اور قابل اعتماد ہونے کے سلسلے میں ضروری جائزہ لے اور انہیں اس سلسلے میں مفید مشورہ دے، اور ایک مالیاتی ادارہ کے منجمد سرمایہ کو دوسرے مالیاتی ادارہ کے ذریعہ مفید اور جائز کاروبار میں لگانے کا انتظام کرے۔

ساتھ ہی ساتھ یہ سفارش بھی کی گئی ہے کہ مستند علماء پر مشتمل ایک ایسا بورڈ بھی تشکیل دیا جائے جو وقتاً فوقتاً ان اسلامی مالیاتی اداروں میں اختیار کئے گئے طریق تجارت پر غور کر کے شرعی حیثیت سے رہنمائی کرے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کے چوتھے سمینار منعقدہ ۹-۱۲ راگست بہ احاطہ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد، میں بینکنگ کمیٹی کی اس رپورٹ کی تحسین کی گئی، اور شریک علماء و فقہاء و ماہرین کی آراء کو سننے کے بعد طے کیا گیا کہ:

۱- یہ اجلاس اس رپورٹ کو ''مجمع الفقہ الاسلامی'' کی دستاویزات کے ساتھ ریکارڈ کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور بینکنگ کمیٹی کے ارکان کا اس جامع رپورٹ کے پیش کرنے پر شکریہ ادا کرتا ہے۔

۲- یہ سمینار طے کرتا ہے کہ علماء کا ایک بورڈ مجمع الفقہ الاسلامی کے ذریعہ تشکیل دیا جائے جو ماہرین کی طرف سے اس طرح کے اسلامی مالیاتی اداروں میں روزمرہ پیش آنے والے سوالات اور عملی مشکلات جنہیں بینکنگ کے ماہرین کی طرف سے انہیں پیش کیا جائے، وہ ان پر شرعی رائے اور فتویٰ صادر کرے، نیز مذکورہ بالا رپورٹ میں اٹھائے گئے سوالات کا فقہ اسلامی کی روشنی میں جائزہ لے کر ان کا شرعی حل پیش کرے۔

۳- سمینار یہ بھی طے کرتا ہے کہ بینکنگ اور اسلامی اقتصادیات کے ماہرین پر مشتمل ایک مستقل بورڈ تشکیل دیا جائے جو مسلسل اپنا کام جاری رکھے اور ایسے بہتر سے بہتر ممکن العمل مالیاتی اداروں کے قیام کے لئے نمونے تیار کرے جن کی بنیاد پر ایسے اداروں کا قیام عمل میں آسکے جو مختلف مالی خدمات انجام دے سکیں، جن کی ضرورت مسلمانان ہند کو ہے، اور وہ شرعاً درست اور قانوناً قابل عمل ہوں۔

۴- یہ بھی طے کیا گیا کہ علماء کے بورڈ میں ایک یا دو بینکنگ کے ماہرین، اور ماہرین کے بورڈ میں ایک یا دو علماء کو بھی رکھا جائے۔

ڈاکٹر انس زرقاء کی تجویز:

اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ سمینار اکیڈمی سے ایک ایسی آزاد ایجنسی یا باڈی کی تشکیل کے سلسلے میں تعاون کی گزارش کرتا ہے جس کا کام سرمایہ کاری کی ان کمپنیوں کی کارکردگی اور شرعی اصولوں کی پابندی کے بارے میں تازہ ترین معلومات جمع کرنا اور ضرورت پڑنے پر متعلقہ افراد

یا اداروں کو وہ معلومات فراہم کرنا ہو۔ اس ایجنسی کو ''وکالۃ للمعلومات الاستثماریۃ'' (Investment Information Service Agency) کا نام دیا جاسکتا ہے۔

اس ایجنسی کا یہ بھی کام ہوگا کہ جولوگ یا جوادارے شرعی طور پر قابل قبول اور اقتصادی طور پر کامیاب اسکیموں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہیں ان کو بروقت صحیح مشورے دے۔ اگر ایسی ایجنسی کا قیام عمل میں آتا ہے تو اسلامک فقہ اکیڈمی اس ایجنسی کا علمی تعاون کرتی رہے۔

طے پایا کہ یہ تجویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی انتظامی کمیٹی کے حوالہ کیا جائے جو اس کے قابل عمل اور مفید ہونے کے سلسلے میں تمام پہلوؤں پر غور کرکے کوئی فیصلہ کرے۔

دوملکوں کی کرنسیوں کا ادھار تبادلہ

دوملکوں کی کرنسیوں کے باہمی تبادلہ کے مسئلہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کی طرف سے منعقد ہونے والے دوسرے فقہی سمینار میں یہ طے ہو چکا ہے کہ دوملکوں کی کرنسیاں دوجنس ہیں جن کا باہمی تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔

چوتھے سمینار میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ دوملکوں کی کرنسیوں کے تبادلہ میں عوضین پر فوری قبضہ مجلس عقد میں ضروری ہے یا نہیں؟ شریک علماء کے دو رجحانات سامنے آئے۔ ایک رائے یہ ہے کہ مجلس عقد میں ہر دو عوض پر فوری قبضہ ضروری نہیں، ایک عوض پر قبضہ کافی ہے، کیونکہ نوٹوں کی حیثیت کلی طور پر سونے چاندی جیسی نہیں کہ یہ اعتباری اور اصطلاحی اثمان ہیں۔

علماء کی ایک جماعت اسے خلقی اثمان (سونے چاندی) کی طرح تصور کرتی ہے، اس لئے بدلین پر قبضہ کو مجلس عقد میں ضروری قرار دیتی ہے۔ البتہ یہ حضرات عام طور پر قبضہ کی تعریف کو وسیع کرتے ہوئے ڈرافٹ اور چیک کے حصول کو اصل بدل پر قبضہ کے مترادف قرار دیتے ہیں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ اجلاس ہر دو موقر آراء کو سامنے رکھتے ہوئے طے کرتا ہے کہ دوملکوں کی کرنسیوں کے ادھار تبادلہ میں بہرحال احتیاط برتی جائے، لیکن واقعی حاجت وضرورت کی صورت میں اول الذکر رائے پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆